ریاست اور مذہب کا باہمی تعلق: مؤید اور مخالف بیانیوں کی تحقیق و تجزیہ

Relation between State and Religion:Research and Analysis of Supportive and Counter Narratives

Azhar Maqsood Cheema
PhD Scholar, Gift University, Gujranwala:
azharmaqsoodcheema@gmail.com

Professor Dr. Hafiz Mahmood Akhtar
Chairman, Department of Islamic Studies, Gift University, Gujranwala:
hafizmahmoodakhtar@gift.edu.pk

Abstract:

It is need of time to revisit and explain the relationship between religion and state by analyzing contemporary intellectual discourses. One of the most important pioneers in this regard is Al-Madrid's Al-Ahkam-al-Sultaniya. Farabi's Opinions of the People of Al-Madinah Al-Fadhila, Al-Muqaddama Azaban Khaldun and the mother of books on this issue. Besides, the names of Shah Waliullah, Maulana Maududi and Dr. Hamidullah were of special importance among the later writers on various aspects of this issue. Aristotle, Thomas Hobbes, John Lock Machiavelli and Carl Marks are among the top researchers among the western thinkers who took a detailed look at the state and its components. The relationship between the state and religion is one of the most important issues of our time. Regarding the definition and evolution of religion, we are guided that religion has been needed by all societies, and even today, one cannot afford to be completely free from this natural need. Thus, religion has always played an important role in the formation of societies and state as well as their evolution. States of the past have had religious affiliations from the very beginning. Of course, many attitudes and opinions regarding religious affiliation have dominated human thought. Among them are absolutely religious doctrines, doctrines based on the inevitability of religion regarding the training of individuals in the state, and the absolute non-religious state doctrines gained acceptance among the people.

In modern times, nations and traditions have developed so much that it is difficult to find a precedent in the past. There is still a longing and despair in that they are devoid of morality. On the contrary, a pious person is always self-accountable. He is worried about adhering to piety. Therefore, being

rebellious and spreading chaos are not in his nature. In this way, the individual and state become safe and secure.
Keywords: Relationship, Evolution, Dominance, Affiliations, Doctrine, Accountability.

ریاست اور مذہب کے باہمی تعلق کے حوالے سے گذشتہ تین صدیوں میں کئی اہم سوال پیدا ہوئے، ان پر بہت کچھ لکھا گیا اور ہنوز لکھا جارہا ہے۔ مسلمانوں کے لئے گزشتہ صدی اس حوالے سے بہت اہم رہی ہے۔ یعنی وہ انگریزوں کے استبدادی اور نو آبادیاتی نظام کے بعد واپس خلافت کی طرف چلے جائیں یا ریاست کے جدید تصور کو اپنا لیں یا ان دونوں کو جمع کر کے کوئی ایسا نظام بنائیں جس میں خلافت اور جدید تصور ریاست کی خوبیوں کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ مسلمان مفکرین نے جس طرح ماضی میں ریاست اور سیاست کے موضوع پر رہنما فکری مواد چھوڑا ، اس دور میں بھی جس کو مسلمانوں کا دور زوال سمجھا جاتا ہے مسلم فکر اس بابت تہی دامن نہیں۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ مسلم مفکرین اور ان کی فکر زوال کا شکار نہیں ہوئی۔ اردو دان طبقہ خاص طور پر پاکستان میں اس بحث کا درست تناظر سمجھنے اور جانبین کے موقف اور دلائل کی تحقیق و تجزیہ کے لئے ضروری ہے کہ ریاست اور مذہب کے باہمی تعلق کے حمایتی اور مخالف سرکردہ مفکرین کی فکر کا ماحصل جمع کیا جائے اور اس کو تحقیق و تجزیہ کا موضوع بنایا جائے۔

ریاست اور مذہب کا تعلق اور ڈاکٹر اسرار احمد کا بیانیہ:

ریاست اور مذہب کے باہمی تعلق کے مؤید بیانیے کی ترجمانی کرنے والوں میں ایک بڑا نام ڈاکٹر اسرار احمد کا ہے۔ آپ کے فہم قرآن کا ایک معتبد بہ طبقہ معترف ہے۔ قرآن فہمی کے لئے آپ نے دروس کا اہتمام کیا جن کی بہت شہرت ہوئی۔ دین اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ہو گا آپ اس نظریہ کے سرگرم داعی تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ریاست کا تصور بیان کرتے ہوئے اسے جدید تصور ریاست سے منسلک کر کے دیکھتے ہیں۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ریاست کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو گی۔ یعنی اسلامی ریاست کا قیام اور اس کے بنیادی اصول وضوابط قرآن و سنت سے ہی لیے جائیں گے۔ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جدید ریاست، عمرانی اور سماجی ارتقا کے نتیجے میں وجود میں آئے گی۔ یہ ایک ایسی جدید ریاست ہو گی جس کے ارتقاء اور اس کے تضمنات ولوازم میں مسلمانوں کا کوئی کردار نہیں۔ بلکہ یہ مکمل طور پر یورپ کی طرف سے عطا کردہ ایک جدید ریاست ہو گی۔ لہٰذا وہ یورپ کے تصور ریاست کو اس کا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں اس سے جو

ثمرات حاصل ہوں گے ان میں سے کتاب و سنت کے عدم منافی سے استفادہ کو لازم ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ریاست اور سیاست کو اسلام کے اصولوں کے تابع کرنے کو بھی لازمی قرار دیتے ہوئے گویا کتاب و سنت کو بنیاد کا درجہ دیتے ہیں۔[1]

جدید ریاست کے ارتقاء میں عناصر اربعہ کی اساسی حیثیت:

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم جدید تصور ریاست کو نہ تو کلیۃً مسترد کرتے ہیں اور نہ ہی اسے من و عن قبول کرتے ہیں۔ بلکہ جدید ریاست کا تجزیہ کرکے اس کے عناصر اربعہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہر ایک عنصر پر الگ الگ تفصیل سے اپنی رائے بیان کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جدید ریاست کے عناصر اربعہ درج ذیل ہیں:

(1)سیکولرازم(2)نیشنلزم(3)ریپبلیکن مزاج(جمہوری طرز)(4) جمہوری ریاست کے اعضائے رئیسہ (یعنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی تعیین اور ہر ایک کے فرائض و وظائف کا تعین اور جمہوری اداروں کی تشکیل وغیرہ۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک جدید ریاست کے عناصر اربعہ میں سے دو عنصر، یعنی سیکولرزم اور نیشنلزم اسلام کی اساسی تعلیمات سے بالکل متصادم اور ان کی بالکل ضد ہیں اور یہ دونوں عناصر دور حاضر کی ریاست وسیاست کی رگ وپے میں زہر کی طرح سرایت کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے ایک اسلامی ریاست کے قیام کے سلسلے میں ان دونوں عناصر کو ترک کرنا لازم ہے۔ جدید ریاست کا تیسرا عنصر اس کا ریپبلکن مزاج ہے جس میں تشکیل حکومت مکمل طور پر عوام کی رائے اور مشورہ سے طے ہو گا۔ ان کے نزدیک جدید ریاست کا یہ عنصر ایسا ہے جو کہ ایک معروف حدیث "الحکمۃ ضالۃ المؤمن" کہ حکمت مومن کی گمشدہ متاع کا مصداق ہے۔ کیونکہ یہ عنصر اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے اور یہ خلافت راشدہ میں بنیادی طور پر کافرما تھا۔ قرآن کی واضح آیت "وامرھم شوریٰ بینھم"[2] کے بالکل

---

[1] اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلامی ریاست و معیشت کے چند بنیادی مسائل، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اگست 2002ء، ص:11
Israr Ahmad, Dr., Islami Riyasat wa maishat ky chand bunyadi masail, Maktaba Markazi Anjuman Khaddam ul Quran, Lahore, August 2002, Pg: 11

[2] الشوریٰ 38:42

Al-Shuraa 42: 38

مطابق اس کے تمام معاملات مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے طے ہوتے تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے کھو دیا تھا۔ مگر انقلاب فرانس کے بعد مغرب نے اسے دوبارہ اجاگر کیا۔

جدید ریاست کا چوتھا عنصر جدید ریاست کے اعضائے رئیسہ، مقننہ، انتظامہ اور عدلیہ کی تعیین اور ان کی درجہ بندی کے ساتھ ساتھ ان کے جداگانہ وظائف و فرائض کا تعین ہے۔ یعنی تمام اداروں کے درمیان اختیارات کے معاملے میں تحدیدات اور توازن وغیرہ۔ یہ اس چوتھے عنصر کے وہ بنیادی لوازم ہیں جو بقول ڈاکٹر اسرار احمد مکمل طور پر مغرب کی دریافت ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک قسم کی ٹیکنالوجی کا درجہ رکھتے ہیں اس لیے ان میں سے جو چیز قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں اور اساسی تعلیمات کے خلاف نہ ہو انہیں بلا جھجک قبول کر لینا چاہیے۔[3]

عصر حاضر میں مذہبی ریاست کی امتیازی خصوصیات:

ڈاکٹر اسرار احمد عہد حاضر کی مثالی اسلامی ریاست کا بنیادی خاکہ پیش کرتے ہوئے اسے ایک طرف تو وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق بلند ترین جمہوری روایات کی حامل قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف اس میں کچھ ایسی خصوصیات بیان کرتے ہیں جن کی وجہ سے وہ دور حاضر کی سیکولر ریاست سے ممتاز ہو گی۔ اسلامی ریاست کے دستور اساسی میں نظام اور قانون دونوں پر قرآن و سنت کی بالادستی کو بلا استثناء اور غیر مشروط طور پر، غیر مبہم انداز میں اصل الاصول کی حیثیت سے واضح کر دیا گیا ہو۔ اس مثالی اسلامی ریاست میں مکمل شہریت وطنی قومیت کی بنیاد پر ہر شخص کو حاصل نہیں ہو گی بلکہ مکمل شہریت صرف ان لوگوں کو حاصل ہو گی جو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ پر ایمان کا اعلان و اقرار کریں۔ ایسی مثالی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت ان کے نزدیک ایک محفوظ اقلیت کی ہو گی کہ جن کے جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ اس کے علاوہ مذہب و عقیدہ کی آزادی کے ساتھ ساتھ عائلی قوانین سمیت پورے پرسنل لاء کے ضمن میں مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔[4]

---

[3] اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلامی ریاست و معیشت کے چند بنیادی مسائل، ص:13-16،
Israr Ahmad, Dr., Islami Riyasat wa maishat ky chand bunyadi masail, Pg: 13-16

[4] اسرار احمد، ڈاکٹر، پاکستان میں نظام خلافت، کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟، تحریک خلافت پاکستان، طبع ششم، جنوری 2015ء، لاہور، ص:17،18
Israr Ahmad, Dr., Pakistan main Nizam e Khilafat Kia? Kiyon aur Kaisy? Tahreek e Khilafat e Pakistan, Lahore, 2015, Pg: 17-18

ہمیں عہد حاضر کی اسلامی ریاست کے ضمن میں قرآن و سنت اور دور خلافت راشدہ سے بنیادی اصول اخذ کرنے ہوں گے۔ ان کے ساتھ انسان کے تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آنے والے جملہ اداروں کی پیوندکاری کرنی ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ ان کے اصول و قواعد یا معمولات و روایات میں جو چیزیں قرآن و سنت کی نصوص کی رو سے حرام ہوں ان کی تراش خراش کر دی جائے۔[5]

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا بیانیہ:

عصر حاضر میں اسلامی ریاست کے تصور پر مولانا مودودی نے بہت وقیع کام کیا ہے۔ آپ نے فکری ، نظری اور عملی ہر لحاظ سے اسلامی ریاست کے تصورات کو واضح کیا۔ آپ کی کتاب "اسلامی ریاست" اس موضوع پر بہت اہم دستاویز ہے۔ آپ کی فکر میں ایک اسلامی ریاست نہ تو بادشاہت یا آمریت ہو سکتی ہے اور نہ ایسی جمہوریت جو حاکمیت عوام (Popular Sovereignty) کے نظریہ پر مبنی ہو۔ اس کے برعکس صرف وہی ریاست حقیقت میں اسلامی ہو سکتی ہے جو خدا کی حاکمیت تسلیم کرلے، خدا اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کو قانون برتر اور اولین ماخذ قانون مانے اور حدود اللہ کے اندر رہ کر کام کرنے کی پابند ہو۔ اس ریاست کا اقتدار، اقتدار اعلیٰ نہیں ہے بلکہ خدا کی نیابت و امانت ہے۔ یہی معنیٰ ہیں خلافت کے۔[6]

اسلامی ریاست اور جدید تصور ریاست جس میں قومی حکومت کا تصور رائج ہے ان میں مولانا مودودی نے فرق کو تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے ۔ ان کی نظر میں اسلامی حکومت دراصل ایک اصولی (Ideological) حکومت ہے اور اس کی نوعیت موجودہ دور میں رائج قومی جمہوری (National Democratic) حکومت سے قطعاً مختلف ہے۔ دونوں قسم کی ریاستوں میں فرق کیا ہے اس کا مولانا مودودی کی فکر سے تقابلی جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

1۔ اسلامی حکومت لوگوں کو اس لحاظ سے تقسیم کرتی ہے کہ کون ان اصولوں کو مانتے ہیں جن پر اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور کون انہیں نہیں مانتے یعنی مسلم اور غیر مسلم۔ قومی حکومت قوم، رنگ، نسل اور

---

[5] ڈاکٹر اسرار احمد، پاکستان میں نظام خلافت، کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟ ص:40،39

Israr Ahmad, Dr., Pakistan main Nizam e Khilafat Kia? Kiyon aur Kaisy, p: 39-40

[6] مودودی، مولانا ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، ص:343،344، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، نومبر 2013ء

Modoodi, Moulana Abu al Alaa, Islami Riyasat, Islamic Publications, Lahore, 2013, P: 343

زبان کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرتی ہے اور جو اکثریت میں ہوں ان کی حکومت بنتی ہے اور جو اقلیت میں ہوں وہ ماتحت ہوتے ہیں۔

2۔اسلامی حکومت کو چلانا دراصل ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو اس کے اصولوں کو مانتے ہوں وہ اپنے انتظام میں غیر مسلموں کی خدمات تو ضرور استعمال کر سکتی ہے مگر رہنمائی اور کار فرمائی کے مناصب نہیں دے سکتی۔ قومی حکومت اپنی راہنمائی و کار فرمائی کے لیے صرف اپنی قوم کے افراد پر ہی اعتماد کرتی ہے اور دوسری قلیل التعداد قومیں جو اس کے شہریوں میں شامل ہوں اس اعتماد کی مستحق نہیں ہوتیں۔ یہ بات چاہے صاف صاف کہیں نہ کہی جاتی ہو مگر عملاً ہوتا اسی طرح ہے اور اگر اقلیت کے کسی فرد کو کبھی کوئی کلیدی منصب دیا بھی جاتا ہے تو یہ محض ایک نمائشی ہے۔ پالیسیوں کی تشکیل میں فی الحقیقت اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

3۔اسلامی حکومت عین اپنی نوعیت ہی کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہے کہ مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان واضح امتیاز قائم کرے اور صاف صاف بتادے کہ وہ غیر مسلموں کو کیا حقوق دے سکتی ہے اور کیا نہیں دے سکتی۔ قومی حکومت کے لیے یہ منافقانہ چالبازی آسان ہے کہ وہ ملک کے تمام باشندوں کو نظریے کے اعتبار سے ایک قوم قرار دے کر کاغذ پر سب کو مساوی حقوق دے مگر عملاً اکثریت اور اقلیت کا پورا امتیاز قائم رکھے۔

4۔اسلامی حکومت کو اپنی نظام میں غیر مسلم عناصر کی موجودگی سے جو پیچیدگی پیش آتی ہے اسے وہ اس طرح حل کرتی ہے کہ انہیں متعین حقوق کا ذمہ دے کر مطمئن کر دیتی ہے، اپنے اصولی نظام کے حل وعقد میں ان کی مداخلت روک دیتی ہے اور ان کیلئے ہر وقت یہ دروازہ کھلا رکھتی ہے کہ اگر اسلام کے اصول انہیں پسند آجائیں تو وہ انہیں قبول کر کے ان جماعت میں شامل ہو جائیں۔ قومی حکومت کو اپنے نظام میں غیر قومیں عناصر کی شمولیت سے جو پیچیدگی پیش آتی ہے اسے حل کرنے کی لئے وہ تین مختلف تدبیریں اختیار کرتی ہے۔ ایک یہ کہ ان کی انفرادیت کو بتدریج مٹا کر اپنے اندر جذب کر لے۔ دوسرے یہ کہ ان کی ہستی کو محو کرنے لئے قتل وغارت اور اخراج کے ظالمانہ طریقے اختیار کرے۔ تیسرے یہ کہ ان کو اپنے اندر اچھوت بنا کر رکھ دے۔ یہ تینوں تدبیریں دنیا کی قومی جمہوری ریاستوں میں بکثرت اختیار کی گئی ہیں، اب تک کی جارہی ہیں اور آج ہندوستان میں خود مسلمانوں کی ان کا تلخ تجربہ ہورہا ہے۔

5۔اسلامی حکومت ذمی غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق دینے پر مجبور ہے جو شریعت نے ان کے لئے مقرر کیے ہیں۔ ان حقوق کو سلب کرنے یا ان میں کمی کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے، کیا مسلمانوں کو یہ اختیار ضرور حاصل ہے کہ وہ ان حقوق کے علاوہ کچھ مزید حقوق انہیں عطا کر دیں، بشرطیکہ یہ اضافہ اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ

ہوتا ہو۔ قومی جمہوری حکومت میں اقلیتوں کو جو بھی حقوق بھی دیئے جاتے ہیں وہ اکثریت کے عطا کردہ ہوتے ہیں اور اکثریت جس طرح انہیں عطا کرنے کا حق رکھتی ہے اسی طرح وہ ان میں کمی بیشی کرنے اور بالکل سلب کرنے کا بھی حق رکھتی ہے۔ پس درحقیقت اس نظام میں اقلیتیں سراسر اکثریت کے رحم پر جیتی ہیں اور ان کے لئے ابتدائی انسانی حقوق تک کوئی پائیدار ضمانت نہیں ہوتی۔[7]

مولانا زاہد الراشدی کا تصور ریاست:

مولانا زاہد الراشدی نے ریاست، جمہوریت، خلافت اور اسلام کے حوالے سے کئی مضامین تحریر کیے۔ جنہیں کتابی شکل میں ترتیب دیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کے متفرق مضامین میں مختلف جگہوں پر ریاست کے تصور پر بحث کی گئی ہے۔ تاہم ایک جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ اس پر بحث کی گئی کہ موجودہ دور میں اسلام کا تصور ریاست کیا ہو گا اور دنیا میں موجود مختلف اسلامی ریاست کے تصورات میں سے کس کو لینا بہتر ہے؟ قیام پاکستان کے بعد جب اس کی اساس اور بنیاد کو طے کرنے کا وقت آیا تو اس وقت یہ سوال سامنے آیا جس پر علماء نے اپنی اجتہادی بصیرتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فیصلہ کیا۔ مولانا کے مطابق اس وقت علماء کے سامنے خلافت عثمانیہ کا صرف ربع صدی قبل ختم ہونے والا ڈھانچہ بھی تھا اور سعودی عرب میں اس کے متبادل کے طور پر وجود میں آنے والا حکومتی نظام بھی ان کے پیش نظر تھا۔ لیکن یہ دونوں جدید دور کے سیاسی تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے والے نہیں تھے اس لیے علمائے کرام نے ایک اسلامی حکومت کی تشکیل کے لیے فقہی احکام و قوانین کے من و عن اطلاق پر اصرار نہیں کیا بلکہ قرآن و سنت کی پابندی کی شرط کے ساتھ جمہوری حکومت کے تصور کو قبول کر لیا اور اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس نئی مملکت میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور قرآن و سنت کی بالادستی کی شرط کے ساتھ عوام کے ووٹوں سے حکومت کے قیام کا اصول اختیار کیا جائے عوام کے منتخب نمائندوں کے لیے اقتدار کا حق تسلیم کیا جائے اور یہ حتمی طور پر طے کر لیا کہ تمام تر قانون سازی پارلیمنٹ کے ذریعے ہو گی۔ یہ اتنا بڑا اجتہادی فیصلہ ہے جس سے خلافت عثمانیہ اور مغل حکومت کے صدیوں سے چلے آنے والے خاندانی

---

[7] مودودی، مولانا ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، ص: 401، 402، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، نومبر 2013
Modoodi, Moulana Abu al Alaa, Islami Riyasat, Pg: 402

سیاسی ڈھانچوں کے تناظر میں گزشتہ صدی کے دوران علمائے کرام کا سب سے بڑا اجتہادی فیصلہ قرار دیاجاسکتا ہے"۔[8]

مولانا کے نزدیک دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کے تصورات میں تبدیلی لائی جائے اور ماقبل دور میں اسلامی ریاست کے جو تصورات رائج رہے ہیں ان کو من وعن آج کے دور میں نافذ نہیں کیاجاسکتا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی اور تصور ریاست:

ڈاکٹر محمود احمد غازی مذہبی فکر کے حامل ایک جید عالم تھے۔ اسلامی تراث کے جدید وقدیم دونوں پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ اپنے محاضرات میں انہوں نے ایک پورا سلسلہ "محاضرات شریعت" کے نام سے بھی تیار کیا ہے۔ ان محاضرات میں انہوں نے جابجا اسلام کے تصور سیاست وریاست پر گفتگو کی ہے۔ ایک پورا محاضرہ "تدبیر مدن" کے عنوان سے دیا۔ جس میں ریاست کے بنیادی مباحث کو تاریخی تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک اول تو ریاست کا تصور مکمل دینی اور اسلامی ہونا چاہیے۔ ریاست اور دین کے تعلق کی ناگزیریت کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ جمہوری ریاست کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اسے اسلام کے مطابق قرار دیتے ہیں تاہم وہ اسلامی جمہوری ریاست کو جدید سیکولر ڈیموکریسی کے فاسد تصورات سے پاک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"اسلامی ریاست ایک جمہوری ریاست ہے لیکن جدید سیکولر ڈیموکریسی کے جمہوری مفاسد سے پاک ہے۔ آج مغربی جمہوریت نے خاصے مفاسد پیدا کر دیے ہیں۔ اس لیے کہ مغربی جمہوریت نے کثرت اور قلت تعداد کو حق وباطل کا معیار قرار دے دیا ہے۔ جس طرف اکاون فیصد ہیں وہ حق ہے۔ جس طرف انچاس فیصد ہیں وہ باطل ہیں۔ اسلام اس کثرت وقلت کے اصول کو قبول نہیں کرتا۔ حق، حق ہے چاہے ساری انسانیت اس کی مخالف ہو۔ باطل باطل ہے چاہے ساری دنیا اس کی حامی ہو۔ لوگوں کی تائید اور مخالفت سے حق کے حق ہونے میں اور باطل کے باطل ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حق وہ ہے جو قرآن پاک میں آیا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ باطل

---

[8] الراشدی، مولانا زاہد، اسلام جمہوریت اور پاکستان، انسٹیٹیوٹ فار پیس سٹڈیز، اسلام آباد، اکتوبر 2013ء، ص:84،85،
Rashadi, Moulana Zahir, Islam, Jamhoriat aur Pakistan, Institute for Peace Studies, Islam abad, 2013, P: 84-85

وہ ہے جس کو شریعت نے باطل قرار دیا ہے۔ اس لیے حق و باطل کا معیاری وہی ہے جو شریعت میں ہے۔ ریاست کا بنیادی قانون وہی ہے جو شریعت نے بیان کیا ہے۔ ریاست کے مقاصد وہی ہیں جو شریعت نے بیان کیے ہیں"۔[9]

ڈاکٹر غازی کی نظر میں قومی ریاست ایک غیر اسلامی تصور ہے اور پاکستان میں بانی پاکستان نے اس کو قبول نہیں کیا۔ پاکستانی ریاست ان مغربی تصورات کے انکار پر مبنی تھی جو دور جدید میں رائج تھے اور جدید لادینی اور سیاسی تصورات پر مبنی تھے۔ پاکستان کی اساس اور اٹھان دو قومی نظریے پر ہے۔ یہ نظریہ قومیت اور نیشل ازم کے جدید مغربی نظریے کا انکار کرتا ہے اور پاکستان کو ایک نظریاتی ریاست قرار دیتا ہے۔

جمہوریت کا اسلامی تصور، پروفیسر خورشید احمد کی نظر میں:

پروفیسر خورشید احمد اسلام کے مقابلے میں اشتراکیت اور جمہوریت کا تقابل کرتے ہوئے اشتراکیت کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ بعد ازاں جمہوریت کے مغربی تصور کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جمہوریت کے اسلامی تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے واضح کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان مابہ الامتیاز یعنی فرق اور اس کی وجوہ بیان کرتے ہیں۔

"اسلامی ریاست خود مغربی جمہوریت سے بھی مختلف ہے۔ اسلام کو جمہوریت کے اس پہلو سے تو کسی طرح کا اختلاف نہیں کہ سلطنت کے معاملات عوام کے مشورے سے ان کی مرضی کے مطابق اور ان کے اپنے نمائندوں کے ہاتھوں طے ہونے چاہئیں وہ جمہوریت کے وکلاء سے کچھ زیادہ ہی شدت کے ساتھ اس بات کو پیش کرتا ہے۔ نیز اسے جمہوریت کے اس پہلو سے بھی اختلاف نہیں کہ بنیادی حقوق کی ضمانت ہونی چاہیے اور قانون کی حکمرانی کے اصول پر عمل ہونا چاہیے۔ اسی طرح انسانیت نے بہت سے تجربات کی روشنی میں عوام کی مرضی کو جاننے اور مؤثر بنانے کے لیے جو نظام اور جوڑ ھانچہ بنایا ہے اس سے اختلاف رکھتا ہے وہ یہ ہیں۔

1۔ حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) کے اختیارات انسان کو نہیں بلکہ خدا اور اس کے قانون کو حاصل ہیں۔

2۔ جمہوریت میں ہر لمحہ مخالفت اور پارٹی بازی کی جو فضا رہتی ہے اسلام اسے بھی پسند نہیں کرتا۔

---

[9] غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات شریعت، الفیصل لاہور، اشاعت اول 2009ء، ص: 294، 295،
Ghazi, Dr Mahmod Ahmad, Muhazrat e Shariyat, Al-Faisal Nashir, Lahore, 2009, P: 294

3۔اسلام اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ لوگ عہدوں کے لالچی ہوں اوران کے لیے اپناسب کچھ لٹاتے پھریں۔وہ چاہتاہے کہ ذمہ داری کے عہدے ان لوگوں کو دیے جائیں جو ان کی خواہش نہ رکھتے ہوں۔

4۔جمہوریت جغرافیائی قومیت کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہے جب کہ اسلامی ریاست ایک اصولی اور نظریاتی ہے اور اس کا پیغام عالم گیر ہے"۔[10]

پروفیسر خورشید احمد اسلامی ریاست کو موجودہ دور میں رائج تصور قومیت اور قومی ریاستوں سے مختلف دیکھتے ہیں اس لئے کہ اس کی بنیاد صرف قوم پر نہیں نظریہ اوراصول پر ہے۔اور پھر خود اس کا تصور قومیت بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ایک بالکل نئی طرز کی قومیت۔نظریاتی قومیت کا تصور پیش کرتا ہے اوراسلامی ریاست اس نئے تصور کی علم بردار ہوتی ہے۔اس ریاست کیلئے جغرافیائی حدود تولازمی ہیں۔لیکن اس کی اصل دعوت یہ ہے کہ انسانیت رنگ، نسل، زبان اور محدود طنیت کی مصنوعی پابندیوں کو توڑ کر ایک نظریاتی قومیت اختیار کرے اور اسی بنیاد پر ایک عالم گیر ریاست قائم کرے۔جب تک یہ نصب العین حاصل ہو جغرافیائی حدبندیوں کو برداشت کرنا ہو گا لیکن پوری امت کی وحدت یا کم از کم اس کی ایک دولت مشترکہ (Common wealth) کا قیام ایسی ریاست کے پیش نظر رہے گا۔اس طرح یہ ان ریاستوں سے بھی مختلف ہو گی جو محض جغرافیائی قومیت پر مبنی ہیں اور جن کے پاس کوئی نظریہ اور دعوت نہیں"۔[11]

قومی ریاست کا تصور، مفتی تقی عثمانی کی نظر میں:

مفتی تقی عثمانی جو کہ عصر حاضر کی معروف علمی وفکری شخصیت ہیں ریاست میں قومیت کے تصور کو مغرب کا تصور اور خلاف اسلام قرار دیتے ہیں۔ان کی نظر میں یہ تصور سیکولر جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہوا ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔اس تصور نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیا۔ماضی قریب کی تاریخ میں مسلمانوں نے جہاں کہیں زک اٹھائی یا شکست کا منہ دیکھا، درحقیقت اس کی پشت پر یہی نیشنل ازم کا نعرہ نظر آئے گا۔ماضی قریب میں مسلمانوں کے اجتماعی المیہ کا آغاز خلافت عثمانیہ کے سقوط سے ہوا ہے۔خلافت عثمانیہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود مسلمانوں کے لئے ایک وحدت کا کام کر رہی تھی، لیکن انگریز نے پہلی جنگ عظیم کے موقع پر عربوں کو ترکوں کے

---

[10] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظام حیات، آئی پی ایس پریس، اسلام آباد، 2016ء، ص:189

Khursheed Ahmed, Prof., Islami Nazriya Hayat, IPS Press, Islamabad, 2016, P:189

[11] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظام حیات، 157،

Khursheed Ahmed, Prof., Islami Nazriya Hayat, P: 157

خلاف اٹھایا، اور عرب لیگ قائم کی ۔ دوسری طرف ترکی میں مصطفی کمال پاشا اوران کے حامیوں کو ترکی قومیت پر اکسایا، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا"۔[12]

ریاست اور مذہب کا تعلق ازورئے مولانا وحید الدین خان:

مولانا وحید الدین خان بنیادی طور پر دعوت کے میدان سے تعلق رکھنے والے آدمی ہیں اور وہ ہر چیز کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں ان کی نظر میں سیکولرازم اور جدید تصور ریاست سے دعوت کے میدان میں زیادہ مواقع میسر آئے ہیں۔ ریاست اور مذہب کے تعلق یا بالفاظ دیگر ریاستی اور حکومتی معاملات میں مذہب کی مداخلت کو وہ مذہبی جبر اور مطلق العنانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر معاملات آگے تب بڑھتے ہیں جب وہ ماضی کی تشریح موجودہ دور کے تناظر میں کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کی نظر میں یورپ کی جمہوریت اسلامی تاریخ کا تسلسل ہے جس نے ماقبل دور کی تاریخ کے مقابلے میں ایک نئے عمل کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں "قدیم زمانے کے حکمران اپنا حق حکمرانی Mandate مذہب کی بنیاد پر حاصل کرتے تھے۔ اس لیے وہ اس کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان کے علاقے میں سلطنت کے مذہب کے سوا کوئی اور مذہب پایا جائے۔ مذکورہ آیت "لیظھرہ علی الدین کلہ "میں اظہار دین کا ایک پہلو یہ تھا کہ حق حکمرانی کے معاملے کو مذہب سے جدا کر دیا جائے۔ دور اول میں جو اسلامی انقلاب آیا اس نے تاریخ میں ایک نیا عمل Process جاری کیا۔ یورپ کی جمہوریت اسی عمل کی تکمیل ہے۔ مغربی جمہوریت نے یہ کیا کہ حق حکمرانی کے معاملے کو مذہب سے الگ کر کے اس کو عوامی رائے سے وابستہ کر دیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر دنیا میں پہلی بار مذہبی امن کا دور آ گیا۔ اس دور کی باقاعدہ تکمیل اقوام متحدہ کی صورت میں ہوئی۔ جس کے تحت مذہب کے معاملے میں تشدد کو بطور اصول ممنوع قرار دے دیا گیا۔ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے گویا دور جدید میں حکمت حدیبیہ کی عالمی توسیع ہے جو اسلامی دعوت کے حق میں ایک عظیم نعمت کی حیثیت رکھتی ہے"۔[13]

---

[12] عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید، نومبر 2010ء، ص:158

Usmani, Mufti Muhammad Taqi, Islam aur Siyasi Nazriyat, Maktaba Muarif ul Quran, Karachi, 2010, P: 158

[13] خان، مولانا وحید الدین، اظہار دین، گڈورڈ بکس نئی دہلی، انڈیا، اشاعت 2014ء، ص:305

Khan, Moulana Waheed ud din, Izhar e Deen, India, 2014, Pg: 305

مولانا اسلام کی صرف دعوتی فکر اور تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی فکر کو مرتب کرتے ہیں جبکہ اسلامی تاریخ کے دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس سے تاریخ ایک رخ تو سامنے رہتا ہے دوسرا رخ غائب ہو جاتا ہے۔

خلافت اور جدید تصور ریاست:

مولانا کی نظر میں خلافت کے روایتی تصور اور بادشاہت میں کوئی فرق نہیں اس وجہ سے وہ موجودہ دور میں انسانی ذہنی ترقی کے نتیجہ میں قابل قبول نہیں رہا اور مسلمان بادشاہت کے ماتحت رہنے کی وجہ سے موجودہ دور کی ذہنیت کے مطابق نہیں سوچ پاتے۔

"مسلمانوں کا موجودہ ذہن، قدیم بادشاہی نظام کے تحت بنا ہے اس لیے وہ اسلام کو جمہوری انداز سے پیش کرنے سے عاجز رہ گئے۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی باتیں اس جدید ذہن کو اپیل نہیں کرتیں جو چیزوں کو صرف اس وقت سمجھ پاتا ہے جب کہ وہ جمہوری انداز میں پیش کی گئی ہوں۔ مثلاً خلافت کا روایتی تصور قدیم شاہی ذہن کے لیے تو قابل تصور تھا لیکن جدید جمہوری ذہن کے لیے وہ قابل فہم نہیں"۔[14]

مولانا کی نظر میں جمہوری نظام مسلمانوں کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ حسن تدبیر سے ہر ملک میں سیاسی نفوذ حاصل کر سکیں۔ مگر مسلمان اجتہادی طرز فکر سے محرومی کی بنا پر ایسا نہ کر سکے۔ ان کے مقلدانہ ذہن نے یہ تو سوچا کہ وہ امریکہ جیسے ملک میں خلافت قائم کرنے کی تحریک چلائیں اور کیلی فورنیا کو "خیلی فورنیا" میں تبدیل کرنے کا مضحکہ خیز خواب دیکھیں۔ مگر ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ وہ شرکت اقتدار کے جدید اصول کو استعمال کر کے امریکہ میں اپنی سیاسی جگہ حاصل کریں"۔[15]

جمہوری نظام، سیکولرازم اور لادینیت:

مولانا وحید الدین خاں جمہوریت اور سیکولرازم کو لادینی نظام قرار دینے کے خلاف ہیں ان کی نظر میں جدید جمہوری نظام دراصل سیکولر زم کے اصول پر قائم ہے۔ اس کے مطابق جمہوریت عدم مداخلت کی

---

[14]۔ خان، مولانا وحید الدین، اظہار دین، ص:256،

Khan, Moulana Waheed ud din, Izhar e Deen, P: 256

[15]۔ خان، مولانا وحید الدین، مسائل اجتہاد، گڈ ورڈ بکس، نئی دہلی، اشاعت دوم، 2014ء، ص:30، 31

Khan, Moulana Waheed ud din, Masail e Ijtihad, Good word books, New dehli, 2014, P: 30-31

پالیسیPolicy of non interference کا دوسرا نام ہے۔ یعنی سیاسی اقتدار کے ادارے کا اس پر راضی ہو جانا کہ وہ اپنے حدود کو انتظامیہAdministration تک محدود رکھے گا۔ انتظامی ملکی سے باہر جو ادارے ہیں وہ اپنے دائرے میں مکمل طور پر آزاد ہوں گے۔ مثلاً تعلیم، صحافت، اشاعتی ادارے، اقتصادی سرگرمیاں، مذہب، دعوت و تبلیغ وغیرہ۔ اس میں وہ تمام پر امن سرگرمیاں شامل ہیں جن کو موجودہ زمانے میں غیر سیاسی سرگرمیاں Non-political activities یا این جی اوز NGO's کی سرگرمیاں کہا جاتا ہے"۔[16]

لیکن مولانا یہاں اس چیز کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ایک جمہوری اور سیکولر ریاست میں قانون کی بنیادیں کیا ہوں گی؟ آخر ان کو دنیا کے کسی نظام نے تو طے کیا ہو گا۔ اسلام کے برعکس اس نظام کی اطاعت کیوں ضروری ہے؟

وطنی قومیت کا تصور:

مسئلہ قومیت کے ضمن میں مولانا وحید الدین وطنی قومیت سے بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسے مسائل وقت اور زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر پیدا ہوئے جبکہ اصل اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بعد میں انہیں اسلام کا حصہ سمجھ لیا گیا۔ عملی صورت حال ہے کہ ہر مسلمان جب پاسپورٹ بنواتا ہے تو اس کے فارم پر قومیت کے خانہ میں وہ اپنے آپ کو انڈین (یا جرمن یا فرنچ یا امریکن) وغیرہ لکھتا ہے۔ اس میں کسی بھی طبقہ کے مسلمان کا کوئی استثناء نہیں۔ مگر ذہنی طور پر یہ چیز ابھی تک اس کے شعور کا حصہ نہ بن سکی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان (بشمول انڈیا) اس تضاد کا شکار ہیں جس کو ایک مصری نژاد امریکن نے تشخص کے بحران (Crisis of identity) سے تعبیر کیا ہے۔"[17]

ماضی کی شناخت گم ہونے کی وجہ سے مسلمان موجودہ دور کی نئی شناخت میں ضم نہیں ہو پا رہے جبکہ یہ شناخت ان کی ماضی کی شناخت ختم نہیں کرتی ہیں بلکہ ماضی میں بھی اسی طرح تھا ہر علاقے کے مسلمانوں کی جداگانہ شناختیں موجود تھیں۔

قومیت کا اسلامی اور جدید مغربی تصور:

---

[16] خان، مولانا وحید الدین، اظہار دین، ص:315،

Khan, Moulana Waheed ud din, Izhar e Deen, P: 315

[17]۔ خان، مولانا وحید الدین، فکر اسلامی، الرسالہ بکس، نئی دہلی، اشاعت اول 1992ء، ص:17،

Khan, Moulana Waheed ud din, Fikr e Islami, Al Risaala Books, New Dehli, 1992, P: 17

مولانا وحید الدین خان نے قومیت کے تعلق کو وطن سے جوڑتے ہوئے ایک طرف اسے جدید مغربی تصور قومیت کے مطابق قرار دے کر اسے سند قبولیت بخشی ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کے اندر ایک عالمی قوم ہونے کے تصور کی نفی کرتے ہوئے جن مسلم مفکرین میں اس فکر کو اختیار کیا، ان پر کڑی تنقید کی ہے۔ مولانا وحید الدین خان، وطنی قومیت کے معاملہ میں مولانا حسین احمد مدنی کے قول کو درست قرار دیتے ہوئے اسے اسلام کا صحیح نقطہ نظر قرار دیتے ہیں۔

"انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں (سیاسی ضرورت کے تحت نہ کہ شرعی تقاضے کے تحت) ساری مسلم دنیا میں ایسی تحریکیں اٹھیں جنہوں نے مسلمانوں کو یہ ذہن دیا کہ اسلام ایک عالمی قومیت ہے اور مسلمان اس عالمی قومیت کے بین الاقوامی شہری ہیں۔ پان اسلام ازم، خلافت تحریک، عالمی حکومت الٰہیہ، خدام کعبہ، الاخوان المسلمون، تحریک پاکستان وغیرہ، سب نے کسی نہ کسی اعتبار سے مسلمانوں کے اندر اسی قسم کا ذہن بنایا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کا ذہن آج شعوری یا غیر شعور طور پر یہی ہے۔ مگر یہ فکر واضح طور پر جدید تصور قومیت سے ٹکراتا ہے۔ جدید دور میں قومیت کا تعلق وطن (Homeland) سے مانا جاتا ہے۔ جبکہ مسلمان دور جدید کی مسلم تحریکوں کے زیر اثر، اپنی قومیت کو اپنے مذہب سے وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ اس معاملہ میں، میں مسلم مفکرین (مثلاً علامہ اقبال، سید ابو الاعلیٰ مودودی وغیرہ) کو ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔ جنہوں نے غلط طور پر اپنے خود ساختہ افکار کو اسلام کی طرف منسوب کیا۔ اس معاملہ میں وہی بات درست ہے جو مولانا حسین احمد مدنی نے کہی تھی۔ 1947ء س پہلے انہوں نے کہا تھا کہ "اس زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" یہی اسلام کا صحیح نقطہ نظر ہے"۔[18]

جاوید احمد غامدی کا بیانیہ ریاست اور مذہب کا تعلق:

جاوید احمد غامدی اسلام کے قانون سیاست پر بحث کرتے ہوئے تمدن کی چاہت اور اس کے نتیجے میں ایک نظم اجتماعی کے قیام کو انسانی فطرت کا لازمی نتیجہ قرار دیتے ہیں اور اس میں عقل انسانی آسمانی ہدایت کے بغیر قطعی فیصلے نہیں کر سکتی ہے۔ آسمانی ہدایت کی ضرورت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں " اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی فطرت نے بالعموم اسے یہی راہ دکھائی اور اس راہ پر جدوجہد کے لیے آمادہ کیا ہے لیکن اس کے جو نتائج اب تک نکلے

---

[18]۔ خان، مولانا وحید الدین، فکر اسلامی، ص:17، 18،

Khan, Moulana Waheed ud din, Fikr e Islami, P: 17-18

ہیں اور جنہیں ہر شخص بچشم سر اس عالم میں دیکھ سکتا ہے تنہا وہی اس حقیقت کو بالکل آخری حد تک ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح عقل انسانی اس معاملہ میں بھی آسمانی ہدایت کے بغیر بعض بنیادی نوعیت کے فیصلے پوری قطعیت کے ساتھ نہیں کر سکتی۔ انسان کی یہی ضرورت ہے جس کے پیش نظر سیاست کا ایک قانون اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول محمد ﷺ کی وساطت سے ہمیں دیا ہے"۔[19]

درج بالا موقف، قانون سیاست پر ابتدائی اور تمہیدی گفتگو کے تحت اختیار کیا گیا اس کے بعد قرآن کے قانون سیاست اور اس سے متعلقہ نصوص پر تفصیلی گفتگو کے ضمن میں بھی جاوید احمد غامدی کی طرف سے یہ موقف اختیار کیا گیا کہ جن معاملات میں کوئی بھی حکم اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ نے ہمیشہ کے لیے دے دیا ہے ان میں اولی الامر کو قیامت تک اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں، چاہے وہ اولی الامر ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان۔ چنانچہ مسلمان اپنی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جو اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہو یا جس میں ان کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو"۔[20]

جاوید احمد غامدی کے موقف میں تضاد پر تنقیدات:

جاوید احمد غامدی صاحب کا گزشتہ سطور میں مذکور وہ موقف ہے جو ان کی کتاب میزان میں درج ہے اور اس کتاب کی اشاعت نہم مئی 2014ء میں ہوئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد (22 جنوری 2015ء) کو انہوں نے روزنامہ جنگ میں ایک تفصیلی کالم بعنوان "اسلام اور ریاست۔ ایک جوابی بیانیہ" لکھا۔ جواب میں مفتی محمد تقی عثمانی نے (26 جنوری 2015ء) کو اسی روزنامہ جنگ میں "اسلام اور ریاست" کے عنوان سے ایک جوابی کالم لکھا۔ جس کے بعد مزید کئی علماء اور مفکرین نے اپنے اپنے انداز میں اس کے جواب میں تحریریں لکھیں۔

جاوید احمد غامدی نے اپنے مذکورہ کالم میں کئی ایسی باتیں لکھیں جن پر مختلف اہل علم کی طرف سے زوردار تنقیدی تحریریں سامنے آئیں۔ ان باتوں میں منجملہ اور باتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ "یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ

---

[19]۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، ص: 481، المورد، لاہور، طبع نہم، مئی 2014ء

Ghamadi, Javed Ahmed, Mezaan, Al-Mourad, Lahore, 2014, P: 481

[20]۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، ص: 282

Ghamadi, Javed Ahmed, Mezaan, P: 282

ریاست کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے اور اس کو بھی کسی قرار داد مقاصد کے ذریعے سے مسلمان کرنے اور آئینی طور پر اس کا پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔"[21]

اب یہ بات ایسی تھی جو درج بالا دونوں اقتباسات سے بالکل مختلف اور متضاد بات تھی۔ کیونکہ گزشتہ سطور میں ہم جاوید احمد غامدی کی کتاب "میزان" سے انہی کے دو اقتباس پیش کر چکے ہیں جن میں سے ایک کے مطابق عقل انسانی سیاسی و تمدنی معاملات میں بھی دوسرے معاملات کی طرح آسمانی ہدایت کے بغیر بعض بنیادی نوعیت کے فیصلے پوری قطعیت کے ساتھ نہیں کر سکتی۔ جبکہ دوسرے اقتباس کے مطابق "مسلمان اپنی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جو اللہ ورسول کے احکام کے خلاف ہو یا جن میں ان کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔"

اس دوسرے اقتباس کو درج بالا کالم کے ایک جملے (کہ اس میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا) کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو تضاد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب ان کے اس مذکورہ کالم پر اہل علم کی طرف سے تنقیدی تحریریں سامنے آئیں تو جاوید احمد غامدی نے اس کے جواب کے طور پر مزید تحریریں لکھیں جن میں سے ایک تحریر بعنوان "ریاست اور حکومت" اسی روز نامہ جنگ میں شائع ہوئی۔ جس میں انہوں نے اولاً ریاست اور حکومت میں فرق کو بیان کیا اور بعد ازاں ریاست کی اصلاً تین قسمیں بیان کیں۔ جن میں سے پہلی ریاست جزیرہ نمائے عرب کی ریاست، کہ جس کی حدود خود خالق کائنات نے متعین کر کے اس کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ جاوید احمد غامدی کے بقول، ان کی مراد یہ ریاست نہیں تھی کیونکہ اس کا مذہب بھی اسلام ہے اور اس میں حکومت بھی اسلام ہی کی ہو گی۔

دوسری قسم کی ریاست فاتحین کی ریاست ہے۔ ان کے بقول اس طرح کی ریاستوں میں شاہی خاندان یا حکمران گروہ کا مذہب اور نظریہ ہی ریاست کا مذہب یا نظریہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے یہ دوسری قسم کی ریاست بھی بقول ان کے مذہبی ہو سکتی ہے اس لیے یہ بھی ان کی مراد نہیں تھی۔

تیسری قسم کی ریاست دور حاضر کی قومی ریاست ہے جس کی حدود بین الاقوامی معاہدات کے نتیجے میں متعین ہوتی ہیں۔ ان کے بقول اسی تیسری قسم کی "قومی ریاست" سے متعلق ان کا یہ موقف تھا کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

---

[21]۔ غامدی، جاوید احمد، اسلام اور ریاست۔ ایک جوابی بیانیہ، روزنامہ جنگ، لاہور، 22 جنوری 2015ء
Ghamadi, Javed Ahmed, Islam aur Riyasat-Aik Jawabi biyania, Roznama Jang, Lahore, 2015,

جاوید احمد غامدی کا تصور ریاست:

یوٹیوب پر جاوید احمد غامدی کی تقریباً9 منٹ پر مشتمل ایک وڈیو موجود ہے جس میں لیکچر کے شرکاء میں سے کوئی شریک سوال کرتے ہیں۔ جواب میں جاوید احمد غامدی ایک اکانومسٹ کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو کا حوالہ دیتے ہیں کہ جس میں اکانومسٹ ان سے سوال کرتا ہے کہ کیا آپ سیکولر سٹیٹ چاہتے ہیں؟ جاوید احمد غامدی کہتے ہیں کہ نہیں۔ وہ پھر سوال کرتے ہیں کہ پھر کیا آپ اسلامک سٹیٹ چاہتے ہیں؟ جاوید احمد غامدی اس کا جواب بھی نفی میں دیتے ہیں۔ اس جواب سے وہ اکانومسٹ پریشان ہو جاتے ہیں۔ تو غامدی صاحب دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دینے کی وجہ بتاتے ہیں کہ میرے نزدیک "ہر نظریاتی سٹیٹ استبدادی ہوتی ہے یعنی کسی نظریاتی سٹیٹ کے قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی آزادی ختم ہو گئی ہے۔" بعد ازاں انٹرویو کرنے والے کے سوال پر غامدی صاحب جواب دیتے ہیں کہ میں خالص جمہوری ریاست چاہتا ہوں جو کہ جمہور کا ایک بنیادی حق ہے اور اس سے محرومی عدم برداشت کو جنم دے گی چاہے اس کی وجہ کوئی بھی ضابطہ بنے۔ کیونکہ ان کے بقول ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ بلکہ مذہب افراد کا ہوتا ہے۔ اسی طرح رسوم ورواج اور ذہنی پس منظر افراد کا ہوتا ہے نہ کہ ریاست کا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی بھی قسم کی نظریاتی یا مذہبی ریاست ہو جاوید احمد غامدی کے نزدیک وہ لازمی طور پر استبدادی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اس کے حق میں نہیں بلکہ خالص جمہوری ریاست کے حق میں ہیں۔[22]

جاوید احمد غامدی اور قومی ریاست کا تصور:

گزشتہ سطور میں بتایا جا چکا ہے کہ احمد غامدی ریاست کی تین قسمیں کرتے ہیں۔ تیسری قسم دور حاضر کی قومی ریاستیں جو بین الاقوامی معاہدات کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں وہ انہیں نہ صرف من وعن تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسی قسم کی ریاست کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ "ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا" جب ان کے پہلے کالم بعنوان "اسلام اور ریاست۔ ایک جوابی بیانیہ" پر تنقیدی تحریریں سامنے آنا شروع ہوئیں تو اس کے جواب میں جاوید احمد غامدی نے کئی تحریریں لکھیں۔ جن میں سے پہلی تحریر روزنامہ جنگ میں (21 فروری 2015ء) کو "ریاست اور حکومت" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس میں ریاست کی اصلا تین قسمیں بیان کر کے تیسری قسم، قومی ریاست سے متعلق تحریر کرتے ہیں:

---

[22]-https://youtube/2kndPrPdLc

"تیسری، دور حاضر کی قومیں، جن کی حدود بین الاقوامی معاہدات سے متعین ہوتی ہیں اور جو وجود میں آتے ہی اپنے باشندوں کے لیے بنائے قومیت بن جاتی ہیں۔ لہٰذا رنگ، نسل، زبان، مذہب اور تہذیب وثقافت کے اشتراک واختلاف سے قطع نظر وہ اپنے آپ کو ہندی، مصری، امریکی، افغانی اور پاکستانی کہتے ہیں اور اپنی قومیت کا اظہار اسی حوالے سے کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کسی کا حاکم یا محکوم نہیں ہوتا۔ بلکہ سب ہر لحاظ سے برابر کے شہری سمجھے جاتے ہیں اور اسی حیثیت سے کاروبار حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔ دور حاضر کی یہی ریاستیں ہیں جن کے بارے میں میں نے لکھا ہے کہ ان کا کوئی مذہب نہیں ہو سکتا۔ ریاست پاکستان اسی نوعیت کی ایک ریاست ہے"۔[23]

جاوید احمد غامدی اور تصور خلافت:

اپنے پہلے کالم (22 جنوری 2015ء روزنامہ جنگ) میں غامدی صاحب نے خلافت کے تصور پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے ایک "دینی اصطلاح" تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ ان کے بقول "خلافت نہ کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ عالمی سطح پر اس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے۔"

ان کے اس کالم پر جب اہل علم کی تنقیدی تحریری شائع ہوئیں تو انہوں نے اس کے جواب میں روزنامہ جنگ ہی میں (5 مارچ 2015ء) کو اور کالم بعنوان "خلافت" لکھا اور اس میں وضاحت سے لکھا کہ خلافت نا تو کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ ہی عالمی سطح پر اس کے قیام دین کا کوئی حکم ہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں جہاں خلافت کا لفظ اپنے تمام مشتقات سمیت استعمال ہوا ہے وہاں اس سے لغوی معنیٰ "نیابت، جانشینی اور حکومت واقتدار" مراد لیتے ہیں۔ اس کے بعد دنیا میں مسلمانوں کی ایک ہی ریاست یا حکومت کے تصور کو رد کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ یہ بھی قرآن وحدیث کا کوئی حکم نہیں۔

اپنے پہلے کالم بعنوان "اسلام اور ریاست۔ ایک جوابی بیانیہ" میں خلافت سے متعلق لکھتے ہیں:

"جن ملکوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ اپنی ایک ریاست ہائے متحدہ قائم کرلیں یہ ہم میں سے ہر شخص کا خواب ہو سکتا ہے اور ہم اس کو شرمندہ تعبیر کرنے کی جدوجہد بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس خیال کی کوئی بنیاد

---

[23]۔ غامدی، جاوید احمد، ریاست اور حکومت، روزنامہ جنگ، لاہور، 21 فروری 2015ء

Ghamadi, Javed Ahmed, Islam, Riyasat aur Hakoomat, Roznama Jang, Lahore, 2015,

نہیں ہے کہ یہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم ہے جس کی خلاف ورزی سے مسلمان گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں ہر گز نہیں۔ نہ خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ عالمی سطح پر اس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے۔"[24]

اسی طرح اپنے تیسرے کالم بعنوان "خلافت" (5 مارچ 2015ء) میں ابتدا ہی میں درج ذیل الفاظ سے کرتے ہیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ خلافت کا لفظ اب کئی صدیوں سے اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے لیکن یہ ہر گز کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے۔ دینی اصطلاحات رازی، غزالی، ماوردی، ابن حزم اور ابن خلدون کے بتانے سے نہیں بنتیں اور نہ ہر وہ لفظ جسے مسلمان کسی خاص مفہوم میں استعمال کرنا شروع کر دیں دینی اصطلاح بن جاتا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولوں کے بنانے سے بنتی ہیں اور اسی وقت قابل تسلیم ہوتی ہیں جب ان کا اصطلاحی مفہوم قرآن وحدیث کے نصوص یا دوسرے الہامی صحائف سے ثابت کر دیا جائے"۔[25]

جمہوریت ایک دین:

یہاں ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جو جمہوریت اور جدید تصور ریاست کو اسلام کے خلاف اور کفر سمجھتا ہے۔ جمہوریت اور جمہوری ریاست کا مخالف یہ طبقہ جمہوریت کو ایک دین کے معنی میں لیتے ہوئے اسے اسلام کے بالمقابل ایک مستقل دین قرار دیتا ہے۔ اب چونکہ یہ ایک الگ دین ہے جو اسلام کے بالمقابل ہے اس لیے یہ دین کفر ہے۔ اور اس دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست بھی کافر ریاست ہے۔ چنانچہ ابو معاذ القرنی جمہوریت کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ادیان کفر میں سے ہر ایک ایسے نظام و منہج پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ سراسر اسلام کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔ اس میں کیمونزم، سوشلزم، سیکولرازم اور مشنریز وغیرہ جیسے جتنے نئے نظام واصول سب شامل ہیں۔ لوگ ان کو اپنے پراگندہ خیالات سے تشکیل دیتے ہیں اور پھر بطور دین اختیار کر لیتے ہیں "دین جمہوریت" بھی اس میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ بھی اللہ کے دین کے سوا ایک دین ہے۔ اس نئے دین میں جس کے فتنے میں اکثر لوگ بلکہ اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔ اس گمراہ کو واضح کرنے کے لیے چند بنیادی باتیں پیش خدمت ہیں تاکہ آپ

---

[24]۔ غامدی، جاوید احمد، اسلام اور ریاست۔ ایک جوابی بیانیہ، روزنامہ جنگ لاہور، 22 جنوری 2015ء

Ghamadi, Javed Ahmed, Islam aur Riyasat-Aik Jawabi biyania, Roznama Jang, Lahore, 2015,

[25]۔ غامدی، جاوید احمد، خلافت، روزنامہ جنگ، 2015ء

Ghamadi, Javed Ahmed, Khilafat, Roznama Jang, 2015

یقین کرلیں کہ جمہوریت ملت توحید سے الگ ایک مستقل دین اور صراط مستقیم سے الگ ایک مستقل راستہ ہے جس کے دروازے پر شیطان بیٹھا ہے جو کہ جہنم کی طرف داعی ہے"۔[26]

شیخ محمد عیسیٰ انصاری نے اپنی کتاب "مجھے ہے حکم اذاں" میں مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب "اسلام اور سیاسی نظریات" پر کڑی تنقید کی ہے اور ان کی جمہوریت کی حمایت پر حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے ان کے افکار پر سخت الفاظ میں نقد کیا ہے۔ شیخ محمد عیسیٰ انصاری بھی جمہوریت کو ایک دین کے معنی میں لیتے ہوئے اسے ایک طاغوتی نظام قرار دیتے ہیں۔ "عصر حاضر میں عالمگیر طاغوتی نظام کے زیر تحت جو سیاسی نظام قائم ہے اور جس کو اس نظام کے رکھوالے طوعاً و کرہاً نافذ کرتے ہیں اس کو ہم "دین جمہوریت" کہہ سکتے ہیں جو کہ کھڑا ہی ان بنیادوں پر کیا جاتا ہے جس کے کفر وشرک ہونے میں کسی راسخون فی العلم کو کوئی شک وشبہ نہیں۔ ہر چند کہ مفتی صاحب بھی بظاہر جمہوریت کے شدید مخالفین میں نظر آتے ہیں مگر محسوس ایسا ہوتا ہے کہ مفتی صاحب "دین جمہوریت" اور "دین اسلام" کے اصول سیاست کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں"۔[27]

مولانا عاصم عمر اپنی معروف کتاب "ادیان کی جنگ۔ دین اسلام یا جمہوریت" میں جمہوریت کے متعلق لگی لپٹی رکھے بغیر لکھتے ہیں کہ جمہوریت کی تعریف کی رو سے اس میں انسانی عقل وخواہشات (یعنی انسانوں) کو وحی پر بالادستی بھی دی گئی ہے لہٰذا یہ جمہوریت عین کفر ہے۔ جمہوریت صرف وہی ہے جس میں انسان کی بالادستی کو یقینی بنایا جاتا ہے اور حاکمیت کا حق انسان کے لیے خاص کیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی جمہوریت جمہوریت ہو ہی نہیں سکتی۔[28]

لیکن یہ طبقہ امت کی اکثریت کے خلاف ہے۔ امت کی اکثریت جدید تصور ریاست کو اسلامی تصورات کے خلاف نہ ہونے کی صورت میں قبول کرتی ہے۔ اس طبقے کے پاس موجودہ رائج نظام سے ہٹ کر کوئی عملی صورت نہیں ہے صرف دعاوی ہیں۔

---

[26]۔ القرنی، ابو معاذ، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص:20،

Al-Qarni, Abu Muaz, Haqeeqat e Jamhoriat, Al-Muahideen Library, P: 20

[27]۔ انصاری، شیخ محمد عیسیٰ، مجھے ہے حکم اذاں، مکتبہ فہم قرآن والسنہ، لاہور، طبع دوم، مئی 2011ء، ص:115،

Ansari, Sheikh Muhammad Isaa, Mujy Hai Hukm e Azaan, Maktaba Fahm e Quran wa Sunnah, Lahore, 2011, P: 115

[28]۔ عاصم عمر، مولانا، ادیان کی جنگ۔ دین اسلام یا جمہوریت، ادارہ حطین، طبع اول شوال 1434ھ، ص:59۔61،

Asim Umer, Moulana, Adyaan ki Jang- Deen e Islam ya Jamhoiriyat, Idara e Hateen, 1434, P: 59-61

مذہب کی تاریخ اور ارتقاء کی بابت ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ مذہب تمام معاشروں کی ضرورت رہا ہے او ر آج کا انسان بھی اپنی اس فطری ضرورت سے بالکلیہ آزادی کا متحمل نہیں۔ چنانچہ معاشروں کی تشکیل اور ریاستوں کے قیام وارتقاء میں مذہب کو ہمیشہ ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ ماضی کی ریاستیں ابتداء ہی سے مذہبی وابستگی کی حامل رہی ہیں۔ البتہ مذہبی وابستگی کے حوالے سے کئی رویے اور بیانیے انسان کی فکر پر غالب رہے ہیں۔ ان بیانیوں میں مطلق مذہبی ریاست، مطلق غیر مذہبی ریاست اور ریاست میں افراد کی تربیت کے حوالے سے مذہب کی ناگزیریت پر مبنی بیانیے عامۃ الناس میں پذیرائی حاصل کر پائے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ریاست کی کامیابی اور ترقی ان طے کردہ اہداف کے حصول میں پوشیدہ ہے جو اس کی ترجیحات کا درجہ حاصل کر چکے ہوں۔ چنانچہ عصر حاضر کی ریاست بھی اس ضمن میں ان اہداف کے حصول میں مذہب کی رہنمائی سے نہ تو دست کش ہو سکی ہے اور نہ فی الحقیقت ہو سکتی ہے۔